باپو

اور

کشمیر

یعنی

مہاتما گاندھی کی اُن تقریروں کا مجموعہ
جو انھوں نے اپنی پرارتھنا سبھا
میں کشمیر کے متعلق کیں

مُرتبہ

علی محمد طارق

میں اپنی اس حقیر کوشش کو انتہائی خلوص، محبت اور عقیدت
کے ساتھ ۲۲ر اپریل ۱۹۴۷ء کے اُن قیمتی لمحوں کے
نذر کرتا ہوں جب "باپو" نے میری درخواست
پر مجھے اپنے قریب بُلایا۔ میرے سر پر ہاتھ پھیرا
اور کہا:
"تجھے کشمیر کیسا ہے؟"
طارق

عرضِ مرتّب

تقریروں کا یہ مختصر سا مجموعہ جو آپ کے پیشِ نظر ہے، دنیا کے سب سے بڑے امن پسند مہاتما گاندھی کی ان تقریروں کا مجموعہ ہے جو انھوں نے نئی دہلی میں پرارتھنا سبھا میں کشمیر کے بارے میں کیں۔ باپو کشمیریوں کے دوست اور شفیقِ خاص تھے جنھوں نے ہمیشہ کشمیریوں کی جنگِ آزادی کی حمایت کی۔ اور تحریک "کشمیر چھوڑدو" کے دوران میں خود ستّر سال کی عمر میں کشمیریوں کی حوصلہ افزائی کرنے کے لئے کشمیر چلے گئے۔

میں نے باپو کی اُن تقریروں کو اُن کی زبان میں مُرتّب کیا ہے۔ اور اس مختصر سی تمہید کو امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد مدظلہ العالی کے اس شعر پر ختم کرتا ہوں۔

"کوئی گریاں، کوئی نالاں، کوئی بسمل ہو گیا
اُن کے اُٹھتے ہی دگرگوں رنگِ محفل ہو گیا"

طارق

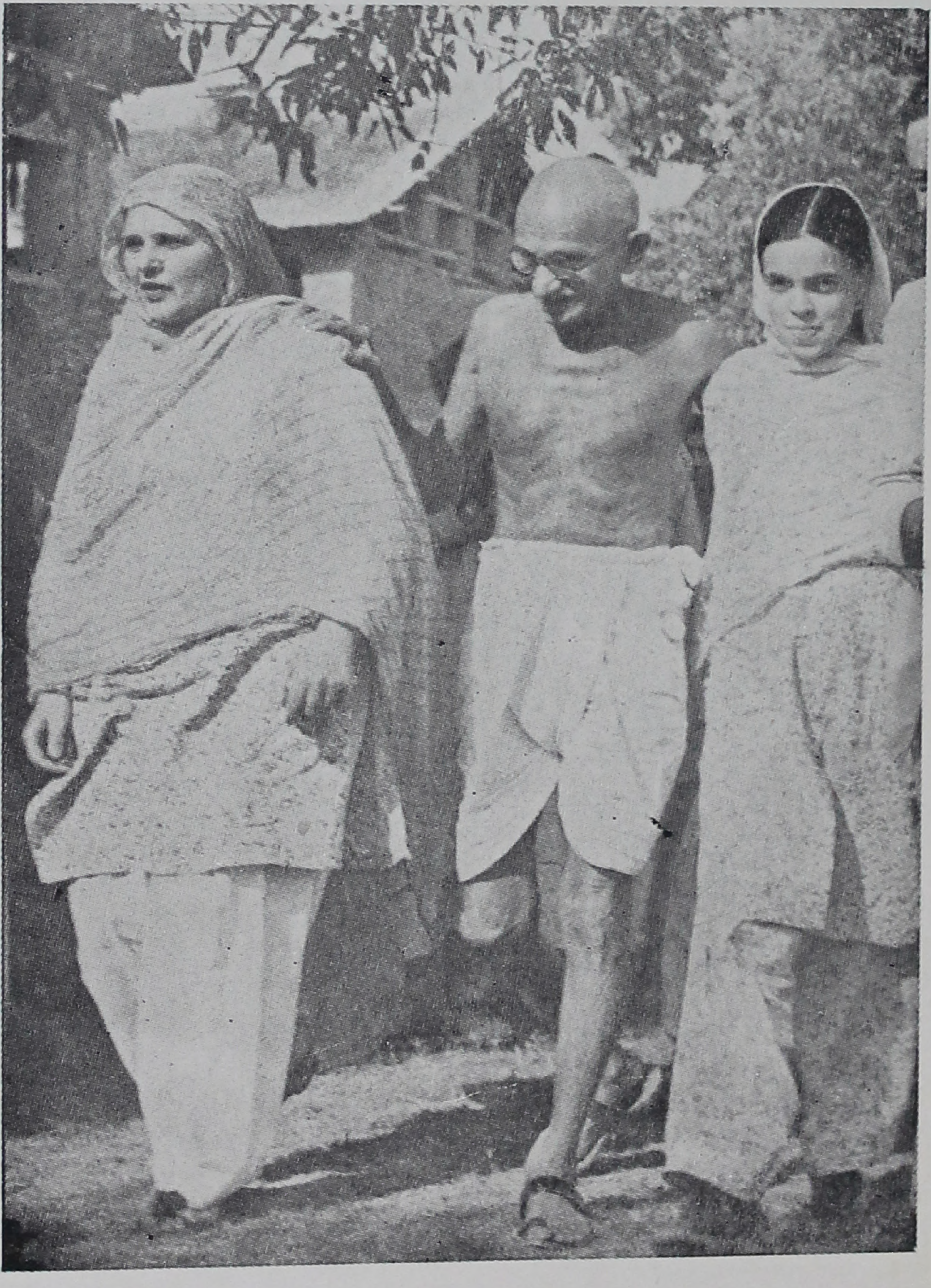

قیام سری نگر کے دوران میں گاندھی جی شیخ محمد عبداللہ
کے گاؤں ساویرا تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ بیگم عبداللہ
اور ان کی دختر نیک اختر ہیں۔

وامق احمد مجتبیٰ

مکتی

جواب اس کا کون دے،
کسے اب اتنا ہوش ہے،
کہ آج ملک کس کے سوگ میں سیاہ پوش ہے
جواب اس کا کون دے
یہ کس کا خون بہہ گیا
یہ کون جاتے جاتے دل کا راز سب سے کہہ گیا
یہ کون قتل ہو گیا
فسانۂ حیات کون کہتے کہتے سو گیا
جواب اس کا کون دے
کہ خود ہمارے ہاتھ اس لہو میں ہیں رنگے ہوئے

وہ زندگی کا راز داں
وہ بے کسوں کا پاسباں

وطن کا میر کارواں
نظر سے دُور ہو گیا

وہ جام جو چھلک رہا تھا
حریت کے میکدے میں دیر سے مہک رہا تھا
چُور چُور ہو گیا
نظر سے دُور ہو گیا

وہ بوڑھا جسم ہڈیوں کا ایک کانپتا بدن
مگر اُسی میں اس قدر جواں لہُو تھا موجزن
کہ جس کی بُوند بُوند میں بسی تھی الفتِ وطن
لہُو وہ آج بہہ گیا

وہ بوڑھا جسم مر گیا
مگر وہ کام کر گیا
جسے وہ جیتے جی نہ اپنے آگے پورا کر سکا
تمام عمر درسِ امن و آشتی دیا گیا
تمام عمر جو اسی اُمّید پر جیا گیا
کہ ایک دن ضرور سارے تفرقے مٹائے گا

فساد کا یہ کھوکھلا طلسم ٹوٹ جائے گا

وہی بزرگِ خانداں
وہی ہمارا راہنما
ہمیں سے آج چھٹ گیا
سہاگ مادرِ وطن کا اپنے ہاتھوں لٹ گیا

سپہرِ ہند کی اندھیری رات کا وہ ماہتاب
قریبِ صبح چادرِ شفق میں منہ لپیٹ کر
لہو بھرے کفن میں اپنی خنکیاں سمیٹ کر
نظر سے دور ہو گیا
یہیں کہیں نڈھال ہو کے بدلیوں میں کھو گیا
ستارے ماند پڑ گئے
ذرا جو تیز گام تھے، وہ بدلیوں سے لڑ گئے
جمے ہوئے ہزار ہا برس کے سخت یخ کے ڈھیر
پگھل کے نرم ہو گئے
ہوا کے سرد جھونکے رفتہ رفتہ گرم ہو گئے
وہ چاند جو غروب ہو گیا تھا بن کے آفتاب
دلوں کو اک نئی شعاعِ زندگی سے گوندھتا

بلند ہوتا جا رہا ہے مشرقی فضاؤں میں
پھر اتحاد کے پھریرے کھُل گئے ہواؤں میں

غلط کہ بہرِ کارواں
غلط کہ اپنا پاسباں
نظر سے دور ہو گیا
نظر سے دور ہوتے ہی دلوں میں کھنچ کے آگیا
ہماری رُوح کے شکستہ تاروں کو ملا گیا
وہ خون وہ رقیق شے
سرودِ زندگی کی لے
وہ سُرخ چشمۂ حسیں
نگارِ زندگی کو اس قدر حسیں بنا گیا
کہ موت کا سیاہ دیو
اپنی نکبتوں کے بوجھ ہی میں دب کے رہ گیا
سیاہ دل میں جس قدر سفید خوں تھا بہ گیا
اُداس ہو رہے تھے جو دماغ جگمگا گئے
ہمارا نوجوان قافلہ پھر اُٹھ کھڑا ہوا
بدیشی رخنہ اور نظامِ کہنہ سے لڑا ہوا
دوبارہ ہو کے تازہ دم

قدم قدم، بہم بہم
شعلۂ زرنگار کی جلو میں چل کھڑا ہوا۔

نقیبِ وقت سے کہو
کہ انقلاب کے وہی پرانے نعرے پھر لگائے
جو راستوں سے ہٹ گئے ہیں اُن کو راہ پھر دکھائے
یہاں تلک یہاں تلک
کہ کوئی باقی رہ نہ جائے

دلوں میں جن کے چور ہیں
وہ اس کو خوب جان لیں
کہ رات اب نہ آئے گی
گھٹا نہ دل پہ چھائے گی
کہ جس کی آڑ سے کوئی کمند پھر لگا سکے
جو سو رہے تھے جاگ اُٹھے
وہ چاند جو غروب ہو گیا تھا بن کے آفتاب
دلوں کو اک نئی شعاعِ زندگی میں گوندھتا
بلند ہوتا جا رہا ہے مشرقی فضاؤں میں

آنریبل غلام محمد بخشی ڈپٹی پرائم منسٹر جموں و کشمیر مہاتماجی
کی استھیاں گاندھی باغ سری نگر میں ستھاپت کرنے کے لئے کشمیر لے
جا رہے ھیں ان کے ساتھ ولنگڈن ھوائی اڈہ دھلی میں جنرل کریاپا
کمانڈرانچیف ھند، خواجہ احسن اللہ ٹریڈ کمشنر اور طارق ھیں۔

۲۶ اکتوبر ۱۹۴۷ء

"کشمیر کو ابھی اپنے ھاں پرجا راج قائم کرنا ھے۔ اسی طرح سے دوسری ریاستوں میں بھی۔ حیدرآباد اور جوناگڑھ میں بھی۔ میرے نزدیک اُن میں تو کوئی فرق نہیں۔ ریاست کا اصلی راجہ اس کی پرجا ھے"۔

ابھی تو آپ لوگوں میں سے پوچھ سکتے ہو۔ کہ تم اتنی لمبی چوڑی باتیں تو کرسکتے ہو۔ لیکن جو کشمیر میں ہو رہا ہے اُس کا بھی کچھ پتہ ہے! ہاں پتہ ہے مجھ کو۔ لیکن اتنا پتہ ہے، جتنا کہ اخباروں میں آیا ہے۔ اگر وہ سب صحیح ہے، تو وہ ایک بہت بُری بات ہے۔ یہ میں کہہ سکتا ہوں۔ اس طرح نہ تو دھرم کی رکھشا ہو سکتی ہے، نہ کرم کی۔ اُس میں الزام تو پاکستان پر ہی لگایا گیا ہے نا۔ کہ وہ کشمیر کو مجبور کرنے کی کوششیں کرتا ہے نا۔ وہ ہونا نہیں چاہیئے، اگر کوئی کسی کو اس لئے مجبور کرے کہ اُس کے پاس سے کچھ لے لے۔ وہ ہو نہیں سکتا۔ آج تو کشمیر ہے۔ پیچھے ہو سکتا ہے۔ کہ حیدرآباد کو مجبور کرو۔ جوناگڑھ کو کرو۔ یا کسی اور ریاست کو۔ میں کوئی انصاف (نیائے) کی برابری نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ میں تو ایک اصول مان کر چلتا ہوں، کہ

کوئی کسی کو مجبور نہیں کر سکتا۔ پیچھے چاہے۔ اس میں کچھ بھی ہو۔ مجھے تو کوئی پروا نہیں۔ چاہے کشمیر ہو۔ حیدر آباد ہو۔ یا جونا گڈھ۔ کوئی کسی کو مجبور نہ کرے۔ یا کسی کے ساتھ زبردستی نہ کرے۔ لیکن آج کی دنیا میں جو کشمیر کے مہاراجہ ہیں، وہ وہاں کے راجہ نہیں۔ بڑے ادب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے۔ دوسری ریاستوں میں بھی۔ جو راجہ مانا جاتا ہے۔ وہ راجہ نہیں۔ اُس کو بنانے والے تو انگریز تھے۔ وہ چلے گئے۔ وہ تو اس لئے اُن کو راجہ مہاراجہ بنا دیتے تھے کہ اُنکی معرفت راج تیز چلتا تھا۔ اور راج ڈنڈ ملتا تھا۔ کشمیر کو ابھی اپنے ہاں پرجا راج قائم کرنا ہے۔ اسی طرح سے دوسری ریاستوں میں بھی۔ حیدر آباد، اور جونا گڈھ میں بھی۔ میرے نزدیک اُن میں تو کوئی فرق نہیں۔ ریاست کا اصلی راجہ اس کی پرجا ہے۔ اگر کشمیر کی پرجا یہ کہے کہ وہ پاکستان میں جانا چاہتی ہے تو کوئی طاقت نہیں دُنیا میں۔ جو اُس کو پاکستان میں جانے سے روک سکے۔ لیکن اُس سے پوری آزادی اور آرام کے ساتھ پوچھا جائے۔ اُس پر حملہ نہیں کر سکتے۔ اور اُس کے دیہاتوں کو جلا کر اس کو مجبور نہیں کر سکتے۔ اگر وہاں کی پرجا یہ کہے۔ بھلے ہی وہاں کے مسلمانوں کی آبادی زیادہ ہو۔ یا اُس کو تو ہندوستان کی یونین میں رہنا ہے۔ تو اُس کو کوئی روک نہیں سکتا۔

اگر پاکستان کے لوگ اُسے مجبور کرنے کے لئے وہاں جاتے ہیں، تو پاکستان کی حکومت کو اُنھیں روکنا چاہیئے۔ اگر وہ نہیں روکتا، تو سارے کا سارا الزام اس کو اپنے اوپر اوڑھنا ہوگا۔ اگر یونین کے لوگ اُس کو مجبور کرنے جاتے ہیں تو اُن کو روکنا ہے۔ اور اُنھیں رُک جانا چاہیئے۔ اس میں مجھے کوئی شک نہیں ہے۔

۲۹ اکتوبر ۱۹۴۷ء

"کشمیر کشمیریوں کا ھوگا۔ شیخ عبداللہ جو کہتے
ھیں وہ تو میں پوری طور سے جانتا ھوں کہ کشمیر
کشمیریوں کا ھے مہاراجہ کا نہیں"

میں تو آج کشمیر میں جو ہو رہا ہے۔ اس کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔ اور کہنا بھی چاہیے۔ اخباروں میں تو آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ وہ تو ایک عجیب بات ہے۔ تین دن کی بات ہے۔ کسی کو پتہ نہ تھا۔ مجھ کو بھی پتہ نہیں تھا۔ کہ کیا ہونے والا تھا۔ وہ ایک ٹیک کی بات ہو گئی۔ ایسا ہم کہہ سکتے ہیں ابھی کہتے تو ایسا نہیں کہ وہاں آفریدی اور دوسرے لوگ بندوقوں کے ساتھ گھس گئے ہیں۔ اور کوئی یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ یہ پاکستان کی کارستانی ہے۔ وہ ہو اس سے تو مجھے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ میں تو جو وہاں ہو رہا ہے۔ اس کو دیکھ رہا ہوں ایک طرف تو وہ پونچھ تک چلے گئے۔ اور وہاں سے بھی آگے۔ سری نگر سے بائیس ۲۲ میل کے فاصلے تک پہنچ گئے۔ وہاں سے تو سیدھی سڑک ہے کوئی رکاوٹ نہیں۔

جب کشمیر کے مہاراجہ نے یہ دیکھا تو انھوں نے کہا کہ میں ہند یونین میں آجاتا ہوں۔ مہاراجہ نے لارڈ ماونٹ بیٹن کو خط لکھا۔ جس کا انھوں نے جواب دیا کہ آپ آ سکتے ہیں۔ پیچھے جب آپ آئے تو شرناگت بنے (پناہ میں آئے) اور ان کی

رکھنا ہوتی چاہیے۔ لیکن رکھنا کریں تو کہاں سے۔ راستے سے تو جا نہیں سکتے ہوائی جہاز سے ہی جا سکتے ہیں ماں کو اپنے ہتھیار لے جانے ہیں۔ خوراک لے جانی ہے۔ کپڑے بھی لے جانے ہیں اور موٹے کپڑے بھی ہونے چاہئیں۔ ایک رتل ہو گیا تو وزن بڑھ گیا۔ اوپر جانور کے موافق چلنا ہے۔ تو کتنے لوگ جا سکتے ہیں۔ شاید آج بھی کچھ لوگ گئے۔ کل ایک ہزار گئے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ پندرہ سو گئے ہوں گے۔ ایک طرف تو یہ پندرہ سو آدمی اور دوسری طرف قبائلی علاقے سے بہت لوگ آ گئے ہیں۔ وہ بھی تو لڑنے والے ہیں۔ تو وہ لڑتے ہیں۔ اس میں آپ کیا سوچیں اور میں کیا سوچوں۔ آخر میرا جیون تو ایسے ہی کام میں چلا گیا ہے۔ میں تو ہتھیاروں کی جنگ کو ماننے والا نہیں۔ لیکن مجھ کو تو سمجھنا چاہیے کہ وہ کیا بات ہے۔ ایک طرف تو پندرہ سو آدمی ہیں۔ اور دوسری طرف اتنے آفریدی اور دوسرے لوگ۔ پھر وہاں شیخ صاحب ہیں۔ شیر کشمیر اسے کہتے ہیں یعنی کشمیر کا شیر۔ وہ بڑا تگڑا ہے۔ آپ نے اس کی تصویر دیکھی ہی ہو گی میں تو اُس کو پہچانتا بھی ہوں۔ اُس کی بیگم کو بھی پہچانتا ہوں۔ بیگم تو آج یہاں ہے تو ایک آدمی سے جتنا ہو سکتا ہے، وہ کر رہے ہیں۔ وہ کوئی لڑنے والے تو ہیں نہیں۔ یوں تو کشمیر میں تگڑے مسلمان پڑے ہیں۔ راجپوت اور سکھ بھی کافی ہیں۔ تو اُس نے طے کر لیا ہے کہ جتنا ہو سکتا ہے وہ کروں گا۔ وہ ہے تو مسلمان کشمیر میں مسلمانوں کی بڑی آبادی ہے۔ یہاں سے تو یہ لوگ بندوق لے کر جاتے ہیں۔ لیکن وہاں کے مسلمان کیا کریں اور کیا نہ کریں۔ مانا کہ ہم تو یہاں جاہل بن گئے ہیں۔ یہاں کہو یا پاکستان میں کہو۔ کوئی پاگل بن باقی نہیں رکھا۔ کیا وہاں وہ لوگ بھی جاہل بن جائیں۔ اور جن کو کاٹنا ہے ان کو کاٹیں عورتوں کو کاٹیں۔ بچوں کو کاٹیں۔ اس بڑے حال سے مریں۔ یہ حال کشمیر کا ہو

تو پنڈت جواہر لعل نہرو اور سارے منتری منڈل نے یہ سوچا کہ کچھ نہ کچھ کیا جائے تو اتنے آدمی بھیجے وہ کیا کریں۔ اتنا ہی کریں کہ آخری دم تک لڑیں۔ اور لڑتے لڑتے ہی مرجائیں۔ جو لڑنے والے ہوتے ہیں اُن کا یہیں کام ہوتا ہے۔ کہ وہ آگے بڑھتے ہیں اور حملہ کرنے والوں کو روک دیتے ہیں۔ وہ مرجاتے ہیں لیکن پیچھے تو کبھی ہٹتے نہیں۔ اس کا کیا نتیجہ ہوگا وہ تو ایشور ہی جانتا ہے۔ جیسا بھجن میں بتایا گیا ہے۔ تمھاری دولت تو مراری (خدا) ہی ہے۔ کروڑوں کی دولت ہمارا دھن نہیں ہے۔ ہتھیار ہیں وہ بھی ہمارا دھن نہیں ہے۔ جو کچھ ہوتا ہے وہ مراری (خدا) ہی کرتا ہے۔ لیکن پرشارتھ (عمل) کرنا ہمارا کام ہے وہ ہم کریں۔ جوان پندرہ سو آدمیوں نے پرشارتھ کیا۔ لیکن کب؟ جب وہ سری نگر بچانے میں سارے کے سارے کٹ جاتے ہیں۔ تب پیچھے سری نگر کے ساتھ ساتھ کشمیر بھی بچ جائے گا۔ اُس کے بعد کیا ہوگا؟ یہی ہوگا کہ کشمیر کشمیریوں کا ہوگا۔ شیخ عبداللہ جو کہتے ہیں وہ تو میں پوری طرح سے جانتا ہوں کہ کشمیر کشمیریوں کا ہے۔ مہاراجہ کا نہیں۔

لیکن مہاراجہ نے اتنا تو کرلیا ہے کہ اس نے شیخ عبداللہ کو سب کچھ دے دیا۔ اور کہہ دیا کہ تم کو جو کچھ کرنا ہے سو کرو۔ کشمیر کو بچانا ہے تو بچاؤ۔ آخر مہاراجہ تو کشمیر کو بچا نہیں سکتے۔ اگر کشمیر کو کوئی بچا سکتا ہے تو وہاں جو مسلمان، کشمیری پنڈت۔ راجپوت اور سکھ ہیں وہی بچا سکتے ہیں۔ ان سب کے ساتھ شیخ عبداللہ کی محبت ہے۔ دوستی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شیخ عبداللہ کشمیر کا بچاؤ کرتے کرتے مرجاتے ہیں۔ ان کی جو بیگم ہے وہ مرجاتی ہیں۔ ان کی لڑکی بھی مرجاتی ہے اور آخر میں کشمیر میں جتنی عورتیں پڑی ہیں وہ سب مرجاتی ہیں۔ تب بھی ایک بوند پانی میری آنکھوں میں سے آنے والا نہیں ہے۔ اگر لڑائی ہونا ہی ہمارے نصیب

میں ہے تو لڑائی ہوگی۔ حملہ آوروں کی پیٹھ پر اگر پاکستان کی طاقت نہیں ہے یا پاکستان کی اس میں کوئی سازش نہیں ہے تو وہ کیسے ٹک سکتے ہیں۔ یہ میں نہیں جانتا۔ لیکن مانا کہ یہ پاکستان کی سازش نہیں ہے تو نہیں ہوگی۔ جب کشمیر کے لوگ لڑتے لڑتے سب مرتے جائیں گے تو کشمیر میں کون رہ جائے گا۔ شیخ عبداللہ بھی چلے گئے کیونکہ اُن کا شیر پن، باگھ پن اسی میں ہے کہ وہ لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں اور رہتے وقت تک انھوں نے کشمیر کو بچایا ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کو تو بچایا ہی۔ اس کے ساتھ وہاں کے سکھ اور ہندوؤں کو بھی۔ وہ پکّا مسلمان ہے اس کی بیوی بھی نماز پڑھتی ہے۔ انھوں نے مجھے سُر سے اعوذ باللہ پڑھ کر سُنایا تھا۔

میں تو ان کے گھر پر بھی گیا ہوں۔ وہ مانتے ہیں کہ ہندو اور سکھ وہاں ہیں۔ وہ پہلے مریں اور مسلمان پیچھے یہ ہو نہیں سکتا۔ وہاں ہندوؤں اور سکھوں کی تعداد کم ہے تو بھی کیا ہوا۔ اگر شیخ عبداللہ ایسے ہیں اور اُن کا اثر مسلمانوں پر ہے تو ہماری سب کی بھلائی ہے۔ آج جو زہر ہم میں پھیل گیا ہے وہ ہونا نہیں چاہیئے۔ اور کشمیر کی معرفت ہمارا یہ زہر بھی چلا جائے گا۔ اگر اس زہر کو مٹانے کی خاطر کشمیر میں اتنی قربانی ہو لی ہے تو اس کے پیچھے ان کی آنکھیں بھی کھل جاتی ہیں۔ جو قبائلی لوگ ہیں ان کا کام تو مرنا ہی ہے وہ چلے تو گئے وہاں اپنی طاقت بھی بتا دی۔ وہاں اُن کے ساتھ کون کون ہے اس کا تو مجھے پتہ ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ تو یہ آتا ہے کہ کشمیر میں جتنے ہندو مسلمان پڑے ہیں اگر وہ سب کے سب شہید ہو جاتے ہیں تو ہماری آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ ہم سمجھیں گے کہ سب مسلمان دغاباز اور پاجی نہیں ہیں۔ ان میں بھی بھلے آدمی رہتے ہیں۔ اسی طرح ہندو اور سکھوں میں بھی سب اچھے فرشتے ہیں۔ یہ

سب جھوٹ ہے۔ یا سب نکمے ہیں یا کافر ہیں وہ بھی غلط بات ہے۔ میرا تو خیال ہے کہ جو لوگ بھلے ہیں وہ ہندوؤں مسلمانوں سکھوں سبھوں میں ہیں اور ان ہی بھلے آدمیوں پر دنیا چلتی ہے نہ کہ ہتھیار رکھنے والوں پر کشمیر میں اگر سارے لوگ بھی رکھشا کرتے کرتے مر جائیں تو میں نا چنے والا ہوں۔ میرے دل میں تو کوئی رنج نہیں ہونے والا۔

دُنیا کا کام چلتا ہی رہتا ہے۔ یہ تو سب ایشور کا کھیل ہے۔ لیکن پُرشارتھ تو کرنا ہی ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم سچا کام کرتے کرتے مر جائیں۔

یکم نومبر ۱۹۴۷ء

"شیخ عبداللہ سب کو بھائی کی طرح سمجھتا ہے۔ باہر سے بھی جو لوگ کشمیر میں آکر رہتے ہیں۔ اور انگریز بھی جو وہاں جاتے ہیں اُن سب کا وہ دوست ہے۔ وہ تو سب کو بلاتا ہے کہ آؤ اور یہاں کی خوبیاں دیکھو"۔

ایک طرف سے تو ہمارا یہ حال ہے اور دوسری طرف کشمیر کا معاملہ ہے یہاں سے جتنے ہوائی جہاز جا رہے ہیں ان میں مجھ کو ایسا لگتا ہے کہ فوج کے آدمی لے جا رہے ہیں۔ وہاں سے کچھ لوگ جو ڈرپوک ہیں بھاگ کر آ رہے ہیں۔ ان کو بھاگنا کیا تھا، اور بھاگ کر جائیں گے کہاں؟ وہ کیوں نہ وہیں بہادری سے مر جائیں۔ اس طرح سے اگر سارا کشمیر بھی زمین دوز ہو جائے تو بھی مجھ پر کچھ اثر ہونے والا نہیں ہے۔ میں تو ہنستے ہنستے آپ کو بھی سُنانے والا ہوں کہ اس پر آپ سب ناچیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ وہاں سب لوگ بہادری سے مر جاتے۔ بوڑھے بھی اور بچے بھی۔ اگر کوئی کہے کہ بچے کیوں؟ تو میں کہوں گا کہ وہ بچے کہاں جائیں گے۔ آخر وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ رہتے ہیں وہ سب وہاں پڑے ہیں۔ لیکن ان سب کو ہتھیار کہاں سے دیں؟ میرے جیسے کو تو ہتھیار کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آخر جان ہے تو سب چیزوں پر عمل کرنا ہے۔ تب تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہماری جو آتما ہے وہ امر ہے۔

اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم شریر کو ہی آتما مان لیتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ لیکن شریر کو بھی ایک دن مرنا تو ہے ہی۔ چونکہ بچہ ماں کی گود میں رہتا ہے۔ اس لئے جب ماں مر جاتی ہے تو بچے کو بھی مر جانا ہے۔ مرنا ہی ہے تو خوشی سے مر جانا چاہیئے۔ اگر آفریدی لوگ تباہ کرنے آئے ہیں تو ہم خود اپنے آپ تباہ ہو جاتے ہیں۔ جتنے لشکر کے لوگ وہاں گئے ہیں وہ بھی ناچتے ناچتے مر جائیں گے۔ مرنے کے لئے تو وہ وہاں گئے ہیں۔ زندہ کب رہیں گے؟ تب نا جب یہ معلوم ہو جائے کہ یہاں پھر سے کشمیر پر کوئی چڑھائی نہیں کرنا ہے۔ پورن شانتی ہو گی۔ اب تو کشمیر شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں ہے وہ سب کو بھائی کی طرح سمجھتا ہے۔ باہر سے بھی جو لوگ کشمیر میں آ کر رہتے ہیں اور انگریز بھی جو وہاں جاتے ہیں ان سب کا وہ دوست ہے۔ وہ تو سب کو بلاتا ہے کہ آؤ اور یہاں کی خوبیاں دیکھو۔ یہاں کے پھل کھاؤ۔ وہاں کی کاریگری تو بہت ہی سندر ہے۔ لوگ ہاتھ سے بہت خوبصورت کپڑا بنتے ہیں۔ لیکن کیوں نہیں؟ کیونکہ کشمیر تو آخر اسی پر زندہ ہے۔ نواب شیخ عبداللہ کشمیر کا مالک بن گیا ہے۔

مہاراجہ تو ہے لیکن ان کے نام پر ہی وہ مالک بنا ہے۔ مہاراجہ نے ہی ان کو کہا ہے کہ تم کو کچھ کرنا ہے تو کرو۔ اگر کشمیر کو رہنا ہے تو رہے گا اور جانا ہے تو جائے گا۔

۳ نومبر ۱۹۴۷ء

"آفریدی لوگ کیسے رہتے ہیں۔ اُن میں بھی لٹیرے رہتے ہیں یا نہیں۔ یہ میں نہیں جانتا ہوں۔ لیکن میری نگاہ میں وہ بھی انسان ہیں۔ اُن کے دل میں بھی وہی ایشور یا خدا ہے۔ اس لئے وہ سب میرے بھائی ہیں۔ اگر میں اُن میں رہوں۔ تو اُن سے کہوں گا۔ کہ لُوٹ کیا کرنا۔ ایک دوسرے پر غصّہ کیا کرنا۔"

آپ لوگوں نے تو اخباروں میں دیکھا ہی ہوگا۔ لیکن مجھ کو بھی کچھ پتہ چل جاتا ہے کہ کشمیر میں کیا ہو رہا ہے۔ اب تو وہاں خیر ہے۔ یہی کہنا چاہیئے۔ خیر کے معنی یہ۔ کہ سری نگر اب تک ٹھیک ہے۔ لٹیرے لوگ اب تک اس پر قبضہ نہیں لے پائے۔ اور پیچھے تو اُن کے لئے روز بروز قبضہ ہونا مشکل ہی ہونا چاہیئے۔ لٹیرے جو ہوتے ہیں، وہ لڑاکو تو ہوتے نہیں۔ کیونکہ وہ تو کوئی حق سے وہاں تو نہیں گئے اس لئے دُنیا میں اُن کی بدنامی ہی ہوگی۔ جوں جوں دن گذرتے ہیں۔ توں توں اُن کا دبدبہ کم ہوتا ہے۔ جو لشکر جاتا ہے۔ اُس کو سنبھالنا رہتا ہے۔ وقت مل جاتا ہے۔ اور وہ وقت مل رہا ہے۔

ہوائی جہاز میں کافی لشکر جا نہیں سکتا ہے۔ بہت مصیبت ہوتی ہے۔ لیکن حکومت کی سب مدد کر رہے ہیں۔ ایسا میں سُنتا ہوں۔ وہ سب شوق سے مدد کرتے ہیں۔ اس لئے آرام سے سب ہوائی جہاز چلتے ہیں۔ ہوائی جہاز حکومت کے تو ہیں نہیں۔ وہ اپنی اپنی کمپنیوں کے ہیں۔ اور اچھا کام سمجھ کر اپنے ہوائی جہاز حکومت کو دیتے ہیں۔

ایک بات اور ہے۔ وہ یہ ہے جو آزاد ہند فوج سبھاش بابو نے بنائی جس کے لئے ہم سب سبھاش بابو کی ہوشیاری اور بہادری کی تعریف کرتے۔ اور تعریف کی بات ہے۔ کیونکہ جب وہ ہندوستان سے باہر تھا، تب اُس نے سوچا۔ کہ چلو تھوڑا فوجی کام بھی کر لوں۔ وہ کوئی لڑویا تو تھا ہی نہیں ایک معمولی ہندوستانی تھا۔ جیسے دوسرے وکیل بیرسٹر رہتے ہیں۔ ویسے سبھاش بابو بھی تھے۔ فوج کی کوئی تعلیم تو پائی نہیں تھی۔ ہاں سول سروس میں جیسا عام طور پر ہوتا ہے۔ تھوڑی گھوڑسواری سیکھ لی ہوگی۔ لیکن پیچھے اُنھوں نے فوجی شاستر تھوڑا پڑھ لیا ہوگا۔ اس طرح اُن کے ماتحت جو فوج بنی تھی۔ میں سنتا ہوں، اس کے دو بڑے افسر جن سے میں جیل میں ہی نہیں بلکہ باہر بھی ملا تھا۔ کشمیر پر حملہ کرنے والوں سے ملے ہوئے ہیں۔ یہ مجھ کو بہت چُبھتا ہے۔ یہ سبھاش بابو کے ماتحت خاص کام کرنے والے تھے۔ اور ہمیشہ اُن کے ساتھ رہا کرتے تھے۔ سبھاش بابو لشکر سے کوئی بات چھپا کر رکھ سکتے ہی نہیں تھے۔ کیونکہ اُنھیں اُن کی معرفت کام لینا پڑتا تھا۔ وہ آج لٹیروں کے سردار ہو کر جاتے ہیں۔ تو مجھ کو چُبھتا ہے۔

اگر اُن کو اخبار ملتے ہیں۔ یا جو میں کہتا ہوں۔ اُس کو وہ سن لیں۔

تو میں اپنی یہ ناقص آواز اُن کو پہنچاتا ہوں کہ آپ اس میں کیوں پڑتے ہیں۔ اک سبھاش بابو کو کیوں ڈبوتے ہیں۔ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ کہ ہندو کا طرف لیں یا مسلمان کا طرف لیں۔ آپ کو تو جاتی بھید کرنا نہیں چاہیئے۔ سبھاش بابو تو ایسے تھے ہی نہیں۔ اُن کے ساتھ ہندو مسلمان سکھ۔ پارسی، عیسائی۔ ہریجن سب رہتے تھے۔ وہاں تو ہندوستانیوں میں جاتی پاتی کا کوئی فرق تو تھا ہی نہیں۔ یوں تو سب اپنے دھرم پہ قائم ہیں۔ لیکن دھرم تو چھوڑے بیٹھے تو تھے نہیں لیکن سبھاش بابو نے قبضہ کرلیا تھا۔ اُن کے دل کو جیت لیا تھا۔ شریر کو قبضہ نہ کیا تھا۔ ایسے تو چلتا نہیں تھا۔ کہ اگر آزاد ہند فوج میں شامل نہیں ہوتا ہے۔ تو کاٹو۔ لوگوں کو اس طرح گلا کاٹ کر دے ہندوستان کو رہائی دلانے والے نہیں تھے۔ اس طرح سے وے بڑے ہوئے۔ اور بڑائی پائی۔ تب آپ اتنے چھوٹے کیوں بنتے ہیں——— اور اس چھوٹے کام میں کیوں پڑتے ہیں۔ اگر کچھ کرنا ہی ہے تو سارے ہندوستان کے لئے کرو۔ اور وہاں جو مسلمان ہیں — آفریدی ہیں۔ اُن کو کہیں کہ یہ جاہل پن کیوں کرنا۔ لوگوں کو لوٹنا اور دیہاتوں کو جلانا کیا۔ چلو! مہاراج سے ملیں شیخ عبداللہ سے ملیں۔ اُن کو چھٹی لکھیں۔ کہ ہم اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ ہم یہاں کوئی لوٹ کرنے تو آئے نہیں۔ آپ اسلام کو دباتے ہیں۔ اس لئے آپ کو بتانے آئے ہیں۔ یہ تو میں سمجھ سکتا ہوں۔ تب تو آپ سبھاش بابو کا نام روشن کریں گے۔ اور اُن آفریدی لوگوں کے سچے اُستاد بنیں گے۔ آفریدی لوگ کیسے رہتے ہیں۔ اُن میں بھی لٹیرے رہتے ہیں یا نہیں۔ یہ میں نہیں جانتا ہوں۔ لیکن میری نگاہ میں وہ بھی انسان ہیں۔ اُن کے دل میں بھی وہی ایشور

یا خدا ہے۔ اس لئے وہ سب میرے بھائی ہیں۔ اگر میں اُن میں رہوں۔ تو اُن سے کہوں گا۔ کہ لُوٹ کیا کرنا۔ ایک دوسرے پر غصّہ کیا کرنا۔ میں یہ تو کہتا نہیں۔ تمہارے پاس بندوقیں ہیں۔ تلواریں ہیں۔ تم انھیں چھوڑ دو۔ اُن کو رکھو۔ لیکن جو دوسرے لوگ ڈرے ہوئے ہیں مُفلس ہیں۔ عورتیں ہیں بچّے ہیں۔ اُن کو بچانے کے لئے اس میں کیا ہے۔ چاہے وہ ہندو ہوں۔ یا مسلمان۔ تو میں کہوں گا۔ کہ یہ جو دو افسر ہیں۔ جن کا نام میں نے سُن لیا ہے۔ وہ سبھاش بابو کا نام یاد کریں۔ وہ تو مر گئے۔ لیکن اُن کا نام نہیں مرا۔ اور کام بھی نہیں مرا۔

اب میرا دل آگے بڑھتا ہے۔ قائدِ اعظم جناح کی طرف۔ اُن کو میں جانتا ہوں۔ میں تو اُن کے گھر جاتا تھا۔ اور ایک دفعہ تو اٹھارہ بار گیا تھا۔ میں اُس کو تبھی سے جانتا ہوں۔ بعد میں اُنھوں نے اور میں نے ایک چیز میں دستخط کئے تھے۔ اور اُس میں بھی ہم دونوں حصّہ دار بن گئے تھے۔ تب بھی اُن کے ساتھ میٹھی باتیں ہوتی تھیں۔ اس لئے میں تو اُن سے اور لیاقت علی صاحب سے اور اُن کے منتری منڈل سے کہوں گا کہ یہ کیا بات ہے کہ آپ جواہر لال جیسے آدمی کو کہتے ہیں۔ کہ آپ دھوکہ بازی کرتے ہیں۔ جواہر لال اور اُن کی سرکار کو اس میں کیا دھوکہ بازی کرنی تھی۔ میں تو کہوں گا کہ جواہر تو کسی سے بھی دھوکہ کرنے والا نہیں ہے۔ جیسا اُس کا نام ہے ویسا اُس کا گُن ہے۔ اُن کی سرکار میں سردار یا جو دوسرے آدمی ہیں اُن کو بھی میں پہچانتا ہوں۔ وہ بھی کوئی دھوکہ باز نہیں ہے۔ اگر وہ کشمیر سے مشورہ کرنا چاہتے ہیں تو اُس کا یہ مطلب نہیں۔ کہ وہ پھسلا رہے ہیں۔ جواہر لال تو پہلے بھی اُن سے بات کرتا تھا۔

اور اکیلا شیخ عبداللہ کے لئے اُن سے لڑتا تھا۔ تب وہ ایسا کیوں کہتے ہیں۔ تو کشمیر میں جو آفریدی لوگ چلے گئے ہیں۔ اُن کو کچھ نہ کچھ مدد تو پاکستان سے ملتا ہی تھا۔ تبھی تو وے کوئی کام کر سکتے ہیں۔ اگر میں پاکستان میں ہوتا تو میں اُن کو ایسا کرنے سے روکتا۔ پاکستان کے اُداسین (غیر جانبدار) رہنے پر تو وے ایسا کام نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن یہاں اُداسین (غیر جانبدار) ہیں۔ اُس سے زیادہ ہیں۔

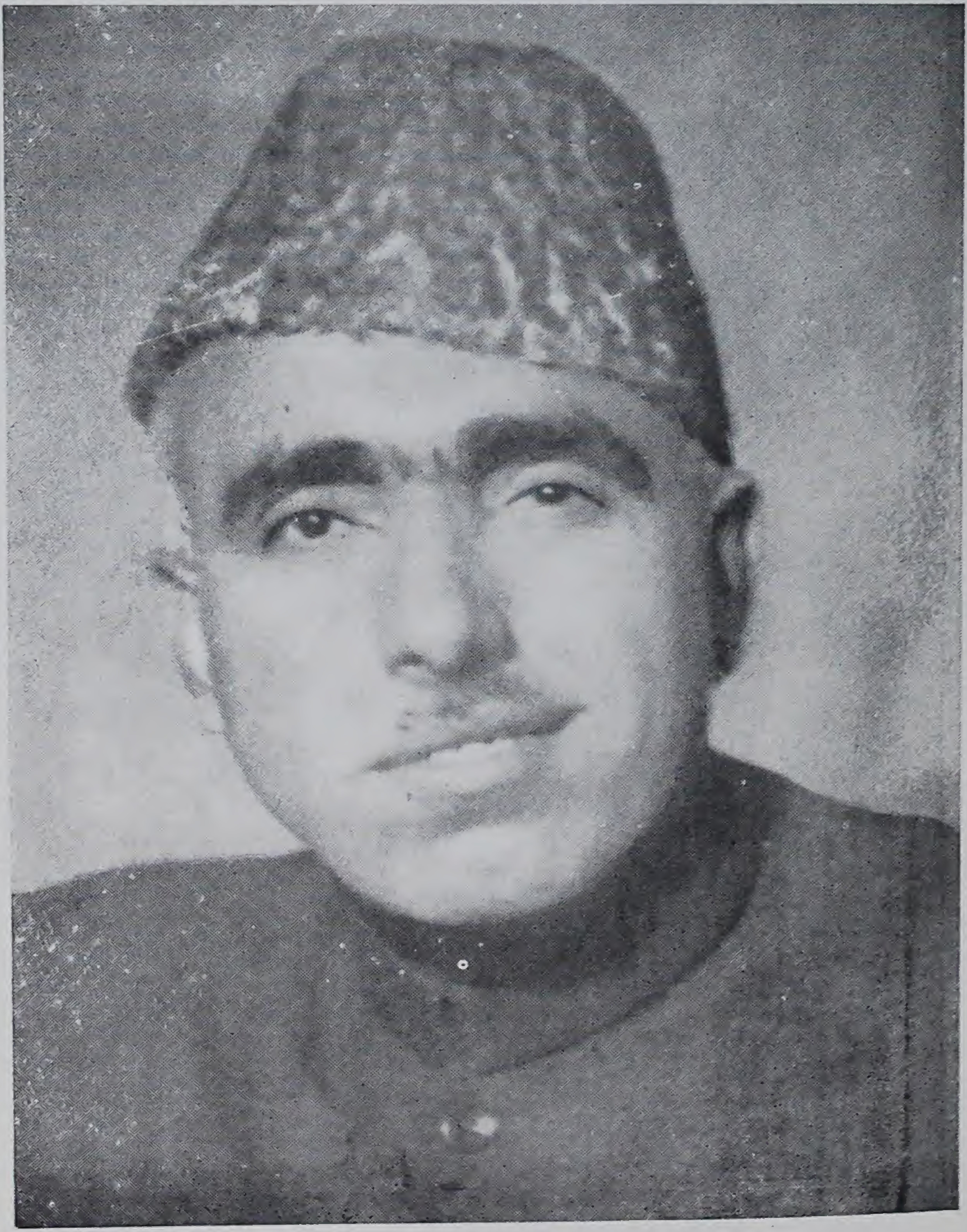

"شیخ محمد عبداللہ ہندو۔ مسلمان۔ سکھ سب کو
ایک ساتھ لے کر بیٹھتا ہے"

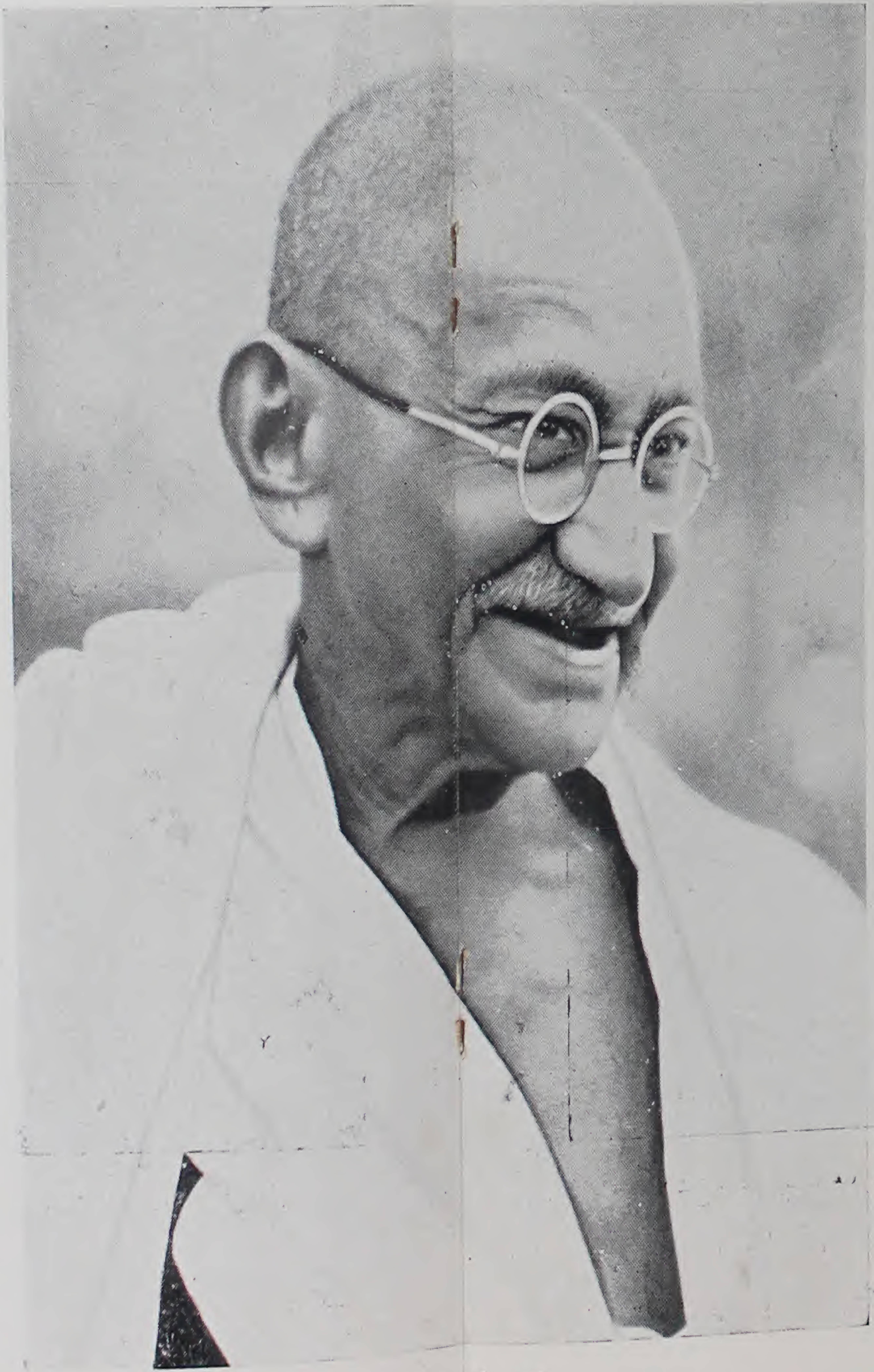

"کشمیر کشمیریوں کا ہوگا"

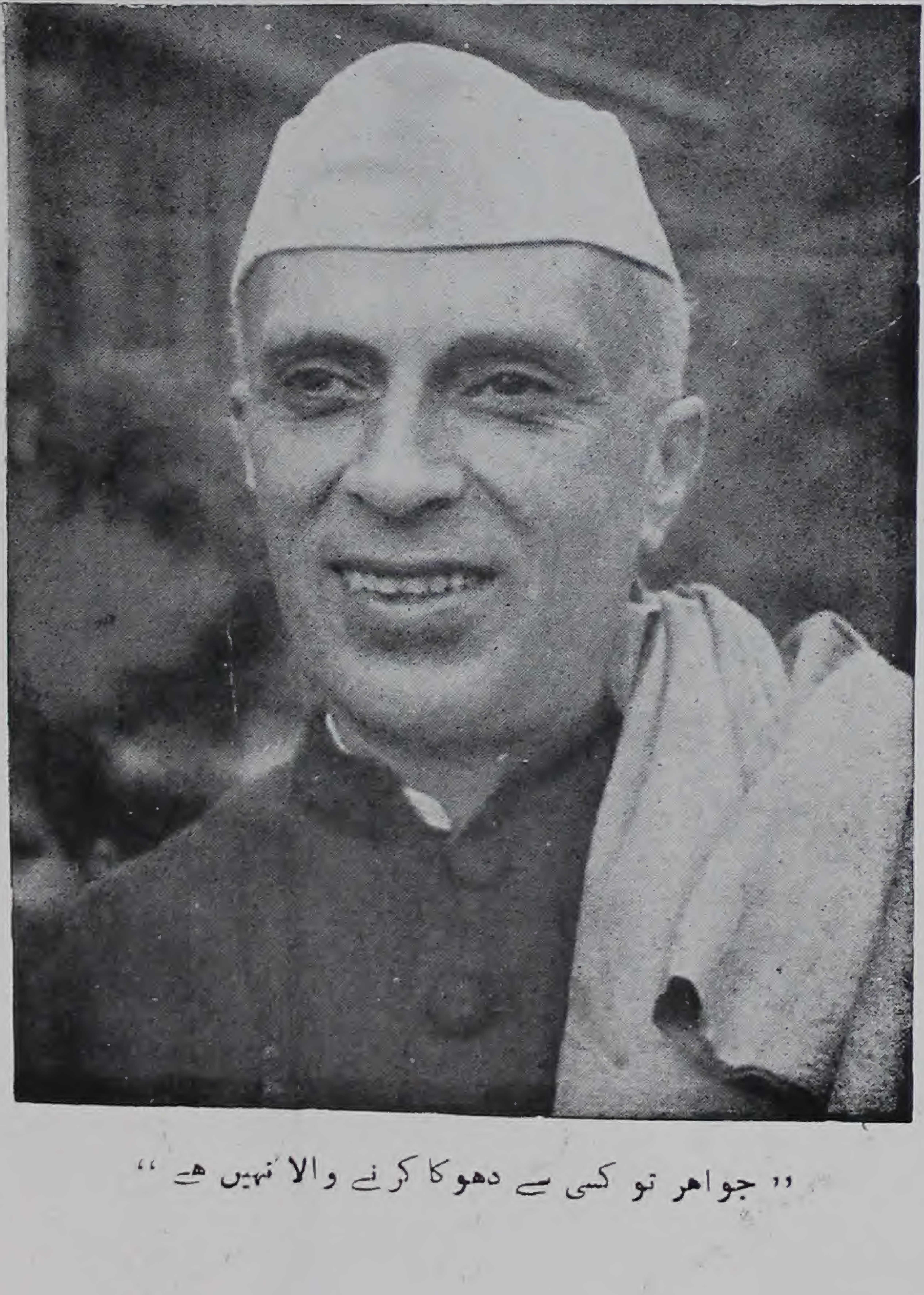

" جواہر تو کسی سے دھوکا کرنے والا نہیں ہے "

۵ نومبر ۱۹۴۷

لیکن کشمیر میں تو شیخ عبد اللہ ھے۔ وہ بڑی بہادری
سے لڑ رہے ھیں۔ بہادری کی میں نے ہمیشہ تعریف
کی ھے۔ یہ ٹھیک ھے کہ وہ اہنسا کرتے ھیں لیکن
اُسمیں بہادری تو ھے۔ اور اُسکی تعریف بھی میں کروں گا

لیکن کشمیر میں تو شیخ عبد اللہ ہے۔ وہ بڑی بہادری سے لڑ رہے ہیں
بہادری کی میں نے ہمیشہ تعریف کی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ اہنسا کرتے ہیں
لیکن اس میں بہادری تو ہے۔ اور اس کی تعریف بھی میں کروں گا۔ میں تو سچا اہنسا
باپو کی تعریف کرتا ہوں۔ کوئی اس سے تھوڑا کرتا ہے۔ کہ مجھے اس کی اہنسا پسند
تھی۔ جو آزاد ہند فوج اس نے بنائی۔ وہ میرے سے تھوڑا ہی بن سکتی ہے۔
جب میں اچھی چیز دیکھتا ہوں۔ اور اچھی کو اچھی نہ بتاؤں۔ تو میں اہنسک نہیں
ہو سکتا۔ اگر شیخ عبد اللہ اخیر تک لڑتا رہے۔ اور ہندوؤں اور سکھوں
کو ساتھ رکھے۔ تو بلند کام ہو جائیگا۔ جو لوگ یہاں پڑے ہیں۔ ان پر بھی اُسکا
بڑا اثر ہونے والا ہے۔ اس میں مجھے ذرا بھی شک نہیں ہے۔ لیکن اگر میری
اہنسا چلے۔ اور سب میری بات مانیں۔ تو جو لشکر ہم بھیجتے ہیں۔ وہ بھی نہ بھیجیں۔
اگر بھیجیں تو صرف اہنسک لشکر بھیجیں۔ وہ وہاں جاتے ہیں اور اگر آفریدی لوگ
مارتے ہیں۔ تو وہ خوشی سے مر جائیں۔ وہ ایک اہنسک یدھ ہو جائے گا۔

کیونکہ وہ اہنسک ہو کر مرتے ہیں۔ شیخ عبداللہ بھی ان آفریدیوں سے کہے گا کہ آپ سری نگر لے سکتے ہیں۔ لیکن جب ہم سب مرجائیں۔ لیکن وہ تو ہتھیاروں سے لڑنے والے ہیں۔ اور بہادری سے لڑتے ہیں۔ تب یہ بھی بہادر بن سکتے ہیں حالانکہ وہ اہنسا کے روپ میں نہیں ہوتی۔ مان لیجئے کہ ایک لاکھ آفریدیوں کا دل یہاں آجاتا ہے۔ اور ان سب کے پاس ہتھیار ہیں۔ اور مٹھی بھر لوگ معصوم بچوں اور استریوں کی رکھشا کے لئے ہتھیار لے کر ان سے لڑتے ہیں اور لڑتے لڑتے مرجاتے ہیں۔ تب ہتھیار بند ہوتے ہوئے بھی۔ وہ ہتھیار کے شکار ہو جاتے ہیں۔ لیکن میں کس کو بتاؤں آج تو آپس آپس میں زہر پھیل گیا ہے۔ اور ایک دوسرے کو بری طرح سے وحشیانہ طور سے کاٹتے ہیں۔ اس میں بھی میں یہ اہنسا کا سرل پاٹ کا نہیں بتا سکتا ہوں۔ اس وقت تو جرنیل صاحب نہیں کہہ سکتے تھے۔ لیکن آج شیخ عبداللہ تو کہہ سکتے ہیں اور جوش کر گیا ہے وہ بھی تو کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر تمہارا اہنسا دلی میں کام نہیں کر سکتی جبکہ وہاں تو وحشیانہ کام ہو رہا ہے۔ لیکن ہم جو کرتے ہیں وہ وحشیانہ بھی نہیں ہے تو تب ان کو یہ کہنے کا حق مل جاتا ہے۔ اور میں اسکو قبول کرتا ہوں۔

۱۱ نومبر ۱۹۴۷ء

"جو شیخ عبداللہ ھے۔ وہ تو کشمیر کے سچے مالک ھیں۔ اگر وہ وھاں کے صرف مسلمانوں کی طرف سے ھی بولتے۔ تب وہ کشمیر کے سچے مالک نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن وھاں کا ھر ھندو سکھ پارسی اور عیسائی انکے ساتھ ھے

جان لیجئے کشمیر ہے۔ کشمیر کے مہاراجہ نے تو کہدیا تھا۔ کہ آپ یہاں آ جائیے۔ ہم بھیڑ میں پڑے ہیں۔ یہاں اپنا لشکر بھیجو۔ جو ہمیں بھیڑ سے چھڑا سکے۔ تب بھی یہ لشکر بھیجا نہ جا سکتا تھا۔ لیکن جو شیخ عبداللہ ہے۔ وہ تو کشمیر کے سچے مالک ہیں۔ اگر وہ وہاں کے صرف مسلمانوں کی طرف سے ہی بولتے۔ تب وہ کشمیر کے سچے مالک نہیں ہو سکتے تھے۔ لیکن وہاں کا ہر ہندو۔ سکھ۔ پارسی اور عیسائی ان کے ساتھ ہے۔ اگر شیخ عبداللہ کہیں۔ یا ایسا ہو کہ وہاں کی پرجا یہ کہے۔ یہاں بہومت اکثریت تو مسلمانوں کا ہے۔ اور بہومت سے ہی کام چلے گا۔ اس لئے آپ یہاں سے چلے جاؤ۔ اور اپنا لشکر بھی لیجاؤ۔ تب اگر مہاراجہ صاحب اس کو وہاں رکھنے کے لئے بھی کہیں گے تب بھی وہ وہاں نہیں رہ سکتا۔ اس کو واپس آنا ہی ہوگا۔ اسی طرح اگر سب مسلمان یہ کہیں۔ یا کشمیر پاکستان میں شامل ہو۔ تو پھر کوئی طاقت نہیں جو اس کو ہندوستان میں شامل رکھ سکے۔ لیکن وہاں تو مہاراجہ صاحب نے ان کے وزیروں نے اور شیخ عبداللہ نے بھی کہا۔ تب کشمیر کو مدد دی گئی۔ شیخ عبداللہ کل تک تو

مہاراجہ صاحب کے تبدی تھے۔ مگر آج تو وہ مہاراجہ کے پر دھان منتری ہیں۔ جو نظام انھوں نے کیا ہے۔ اسی کی وجہ سے آج سری نگر زندہ ہے۔ وہ نہیں ہوتا۔ تو سری نگر بچ نہیں سکتا۔ سری نگر کے مسلمانوں نے جب کہا۔ تبھی جواہرلال جی نے وہاں لشکر بھیجا ہے۔ وہ لشکر ایک مسلمان کو بھی شری نگر میں گولی سے نہیں اڑا سکتا۔ ہاں اگر شیخ عبداللہ کہیں۔ کہ یہ باغی ہیں۔ باغی تو وہاں بھی پڑے ہیں نہیں ہوں، یہ بات نہیں۔ اور وہ پکڑا نہیں جاتا۔ تو ایسے بھلے ہی ایک دو پانچ آدمیوں کو گولی سے اُڑا سکتا ہے۔

اگر کشمیر کی ساری پرجا کہے کہ شیخ عبداللہ کون ہے۔ ہم تو اس کا مانتے ہی نہیں۔ راجہ تو ہمارا ہے۔ نہ شیخ عبداللہ کا نہ ان کے ساتھیوں کا۔ اور نہ مہاراجہ کا۔ ہم ان کو برداشت کریں۔ تو کرتے ہیں۔ اور برداشت نہ کریں۔ تو نہیں تب نہ مہاراجہ رہ سکتے ہیں۔ نہ شیخ عبداللہ۔

جو میں آج جوناگڈھ کے بارے میں کہہ رہا ہوں۔ وہی بات شروع سے ہی کشمیر کے لیے کہتا آیا ہوں۔ میں جب وہاں گیا۔ تو مہاراجہ کو بھی سنا دیا اور جب شیخ عبداللہ مل کر گئے۔ تو ان کو بھی کہہ دیا، کہ اگر وہاں کے مسلمان اور دوسرے لوگ آپ کے ساتھ ہیں۔ تب تو خیر ہے " اور اگر آپ ایشور یا خدا کا نام لیکر وہاں لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں۔ تو مجھ کو اچھا لگے گا۔ مجھ کو اس کا ذرا بھی دکھ نہ ہوگا۔ میں خوشی مناؤنگا۔ کہ ایک طاقتور نوجوان اپنی پرجا کے نام پر کام کرتے کرتے مر گیا۔ اور سری نگر کے لوگ بھی رکھشا کرتے کرتے مر گئے۔ اسی شرط پر کشمیر کے مہاراجہ رہ سکتے ہیں۔ نہیں تو وہ وہاں بیٹھ نہیں سکتے۔ اور نہ اپنی گدی رکھ سکتے ہیں۔ اس بارے میں۔ میرے دل میں ذرا بھی شک نہیں جیسا کہ کشمیر کے بارے میں کہا جا رہا ہے۔ کہ اس کے دو ٹکڑے کر دئے جائیں

ایک تو وہ جس میں مسلمان زیادہ ہیں اور وہ ہندوؤں کو نہیں چاہتے۔ اور دوسرا حصّہ وہ جہاں ہندو مسلمانوں کو رکھنا پسند نہیں کرتے۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اگر کشمیر کے ٹکڑے ہو سکتے ہیں تو پھر جوناگڑھ اور حیدر آباد بھی کر سکتا ہے۔ تاکہ ان کا ایک ٹکڑا پاکستان میں رہے۔ اور دوسرا ہندوستان میں۔ اس طرح سے تو ایک ریاست کے پانچ ٹکڑے بھی ہو سکتے۔ لیکن وہ ہو نہیں سکتا۔ کہاں تو یہاں سارے ہندوستان کی ایک حکومت چلتی تھی۔ پیچھے اس کی دو ہو گئی۔ تو کیا ہم ریاستوں میں بھی ایسا کریں۔ یہ ہو نہیں سکتا۔

۱۹ نومبر ۱۹۴۷ء

''ہم تم کو جینے بھی دیں گے۔ لیکن ایک شرط پر۔ کہو!
پاکستان زندہ باد۔ اُس نے کہا۔ جب کہ میں دیکھتا
ہوں۔ کہ آپ لوگ ہندوؤں کو مارتے ہیں۔ اور
مسلمانوں کو بھی اس سے اسلام کا بھلا کیسے ہوسکتا
ہے۔ تو میں کیسے پاکستان زندہ باد کہہ سکتا ہوں۔
مجبور کرانے سے میں ایسا کہنے والا نہیں ہوں۔

میں آپ کو ایک اچھی بات سناتا ہوں۔ میں آپ کو کشمیر لیے جاتا ہوں۔ تھوڑا کشمیر کے بارے میں کہہ دوں گا۔ نام یاد آنے پر نام بتاؤں گا۔ ہاں۔ ان کا نام شیروانی ہے۔ یو۔پی کے شیروانی نہیں۔ وہ تو ان کے رشتہ دار بھی نہیں ہوں گے کشمیر میں آفریدی جاتے ہیں۔ حملہ کرنے کے لئے چاہے وہ کوئی بھی ہوں۔ اُن لوگوں نے اس آدمی کو گھیر لیا۔ وہ بیچارہ قوم پرست مسلمان تھا۔ وہ ہندو کو بھی بچاتا تھا۔ وہ لوگ کافی آدمی تھے۔ اور شیروانی اکیلا تھا۔ یہ چیز میرے پاس مکمل ہوئی ہے۔ سب تو سنانا نہیں چاہتا۔ وقت تو ہوگیا ہے۔ تو بھی اتنی بات تو کہہ دوں۔ وہ اُن کو پیٹنے لگے۔ اُن لوگوں نے کہا۔ ہم تم کو جینے بھی دیں گے۔ لیکن ایک شرط پر۔ کہو! پاکستان زندہ باد۔ اُس نے کہا۔ جب کہ میں دیکھتا ہوں۔ کہ آپ لوگ ہندوؤں کو مارتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بھی۔ اس سے اسلام

کا کیسے بھلا ہو سکتا ہے ۔ تو میں کیسے پاکستان زندہ باد کہہ سکتا ہوں ۔ مجبور کرنے سے میں ایسا کہنے والا نہیں ہوں ۔ جب مارشل لا کی جانچ چلتی تھی ۔ تب جس طرح لوگوں کو ہلاک کرتے تھے ۔ اسی طرح اس کو کہا ۔ لیکن انھوں نے لیکن انھوں نے کہہ دیا ۔ میرے پاس تو خدا ہے ۔ وہی بچاوے گا ۔ مجھے چاہے مار ڈالو لیکن جیسا آپ کہہ رہے ہیں ۔ ویسا نہیں کروں گا ۔ آخر میں ان پر گولی چلی ۔ وہ مارا گیا مرتے دم تک اس نے دوسری بات نہیں کہی ۔ ڈٹا رہا اپنی بات پر ۔ یہ خوش خبری کہی جا سکتی ہے ۔ آدمی کو مضبوطی سے اپنے دھرم پر ڈٹے رہنا چاہیے ۔ وہ ہندو یا سکھ ۔ یا مسلمان یا پارسی یا کوئی بھی ہو ۔

۲۸ نومبر ۱۹۴۷ء

"شیخ عبد اللہ نے ایک بہت بڑا کام کر دیا ہے۔ کشمیر میں انھوں نے ہندو۔ سکھ اور مسلمان کو ایک ساتھ رکھا اور ایک ساتھ مرنا اور ایک ساتھ جینا۔ ایسا کر دیا ہے"

کل گورو نانک جنم دن کے بارے میں مہاتما گاندھی شیخ عبد اللہ کے ساتھ مقامی سکھ نیتاؤں کے بلاوے پر پرانی دہلی میں وارد ہوئے ان کے ایک جلسے میں تقریر کرنے گئے تھے۔ اور اپنی شام کی پرارتھنا سبھا میں اسی چیز کے ساتھ شروع کرتے ہوئے گاندھی جی نے کہا "آپ جانتے ہیں آج گورو نانک صاحب کا جنم دن ہے۔ مجھ کو تو کسی نے بلاوا تو بھیجا تھا۔ مگر اس وقت تو میں نے کہہ دیا تھا۔ کہ آنے کے لئے تو آپ مجھے معاف کریں گے۔ لیکن آج بابا بچتر سنگھ میرے پاس آ گئے اور انھوں نے کہا۔ کہ آپ کو تو آنا ہی چاہیئے۔ وہ دس بجے ملے تھے تو ایک گھنٹہ میں ہی جانا تھا۔ تو پھر میں نے سمجھا کہ مجھ کو جانا ہی چاہیئے۔ میں نے ان کو کہا۔ کہ کوئی وجہ میں نے تو اپنی اور سے نہیں دیا ہے۔ لیکن آج سکھ بھائی ناراض تو ہیں۔ مجھ سے! ہاں! میں نے ایک کڑوا گھونٹ ان کو پلانے کی کوشش کی ہے۔ یہ تو ہے۔ لیکن ایسے ہی دنیا میں بنتا ہے۔ تب انھوں نے کہا۔ کہ کچھ بھی ہو۔ وہاں ہزاروں سکھ بھائی بہنیں ہوں گی۔ اور ان میں کافی دکھی سکھی بھی

جو آپ کی بات سننا چاہتے ہوں گے۔ تب میں نے کہا۔ اچھا مجھے کو گیارہ بجے لیجائیے۔ گیارہ بجے وہ شیخ عبداللہ کو بھی اپنے ساتھ میں لے کر آئے۔ ان کو بھی وہ وہیں لیجانے والے تھے۔ میں نے کہا۔ کہ شیخ عبداللہ وہاں کیسے جا سکتا ہے۔ کیونکہ آج تو ایسا بن گیا ہے نا۔ کہ سکھ اور مسلمان تو ایک دوسرے کو برداشت ہی نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن انہوں نے کہا۔ کہ کچھ بھی ہو شیخ عبداللہ نے ایک بہت بڑا کام کر لیا ہے۔ کشمیر میں انھوں نے ہندو، سکھ، مسلمان کو ایک ساتھ رکھا۔ اور ایک ساتھ مرنا اور ایک ایک ساتھ جینا۔ ایسا کر لیا ہے۔ تب میں نے سوچا۔ کہ شیخ عبداللہ کو بھی لینا چاہیئے۔ اس لئے میں ان کو اپنے ساتھ لے گیا۔ مجھ کو یہ بڑا اچھا لگا۔ ہزاروں سکھ۔ بھائی بہنیں وہاں پر تھیں۔ میں نے کچھ تھوڑا سا ہی کہا۔ لیکن شیخ عبداللہ نے کافی بولا۔ اور سب لوگوں نے بہت دھیان سے سنا۔ آنکھ سے بھی کوئی کچھ بتاتا نہ تھا۔ آواز تو کون کرنے والا تھا۔

۲۵ دسمبر ۱۹۴۷ء

شیخ عبداللہ وہاں کا سچا مہاراجہ ہے۔ ہزاروں مسلمان
ان پر فدا ہیں۔ انکو شیر کشمیر کہتے ہیں۔ وہ نکما ہے۔
ایسا کہنا اچھا نہیں لگتا۔ وہ کہتا ہے میں مسلمان ہوں۔
لیکن وہ کیسا مسلمان ہے۔ ہندو مسلمان سکھ سب کو
ایک ساتھ لے کر بیٹھتا ہے ——————— گاندھی جی

گاندھی جی نے پرارتھنا میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا ———

کشمیر میں جو ہو رہا ہے۔ اس کا آپ کو تھوڑا بہت پتہ ہے۔ جیسا مجھکو بھی ہے۔ لیکن ایک چیز کی طرف میں آپ کا دھیان کھینچنا چاہتا ہوں۔ ہم سنتے ہیں اور اخباروں میں بھی وہ خبر آئی ہے۔ کہ ایسی بات چل رہی ہے۔ کہ کشمیر کے بارے میں فیصلہ کرانے کے لئے ہم کسی کو بلائیں۔ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ پنچ مقرر کریں۔ ایسا نہیں ہوتا ہے تو ایک سہے۔ وہ کہہ رہے ہیں۔ کہ کوئی آئے اور دیکھ لے۔ تو مجھے کہنا ہے۔ کہ ایسا کیوں؟ اس طرح سے کہاں تک چلیگا؟ اس طرح سے ہندوستان، پاکستان کے درمیان سمجھوتہ نہیں ہو سکے گا۔ اور تیسری طاقت آجائے گی۔ میں تو کہوں گا کشمیر میں زیادہ تر مسلمان ہیں۔ کشمیر کے دو حصے تو ہیں نہیں۔ سری نگر اور اس کے ارد گرد مسلمانوں کی تعداد بہت ہے شاید ۹۵ فیصدی سے زیادہ ہے۔ جموں میں تو وہاں اتنے نہیں ہیں۔ ابھی کتنے فیصدی ہیں۔ وہ میں نہیں جانتا۔ لیکن کشمیر اور

جموں ایک ہے۔ اس کے دو ٹکڑے کر نہیں سکتے۔ اگر ایسے ٹکڑے کرنے لگے تو ہندوستان کے کئی ٹکڑے ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان کے دو ٹکڑے ہو گئے تو میری نگاہ میں کافی ہے۔ کافی سے زیادہ ہے۔ لیکن میں یہ بھی کہوں گا۔ اس کے دو ٹکڑے کون بنا سکتا ہے۔ انسان اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے۔ لیکن بن گیا ہے۔ کیونکہ مسلم لیگ اور کانگریس نے قبول کر لیا ہے۔ لیکن دونوں کا سبب الگ الگ ہے۔ سبب میں میں ابھی جانا نہیں چاہتا۔ لیکن دونوں بیس ٹکڑے پچیس ٹکڑے تھوڑے کر سکتے ہیں۔ تین ٹکڑے بھی نہیں کر سکتے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔ کشمیر کے ٹکڑے کرو۔ تو سب ریاستوں کے ٹکڑے کرو۔ لیکن وہ تو ایک رہتا ہے۔ وہاں مسلمانوں کی طاقت کافی بڑی ہے۔ لیکن وہاں جھگڑا کیوں کر ہو رہا ہے سکتے ہیں۔ وہاں قبائلی لوگ جا کر جھگڑا کرتے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے وقت جاتا ہے۔ پتہ چلتا ہے کہ ایسا نہیں ہے۔ پنجاب میں اردو کے اخبار نکلتے ہیں میں تو پڑھ نہیں سکتا ہوں۔ لوگ پڑھ کر مجھے سناتے نہیں۔ تو میں نے سنا سن کر میں حیران ہو گیا۔ وہ بھی کونسے اخبار ہیں " زمیندار " اخبار ہیں۔ میں اس زمیندار کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ بڑے آدمی ہیں میں ان کو خلافت کے زمانے میں بہت پہچانتا تھا۔ اس وقت بھی مجھ کو کہنا پڑیگا۔ ان کی زبان پر قابو نہیں تھا۔ اب بھی دیکھتا ہوں تو حیران ہو گیا ہوں۔ اس میں ظاہر خبر دی گئی ہے جس کو کشمیر کے حملے کے لیے آنا ہو، آ سکتا ہے۔ اس طرح سے کھلم کھلا ہوتا ہے۔ پیچھے پاکستان کہے۔ کہ ہمارا کام نہیں ہے تو حیران ہونے کی بات ہی ہے۔ اس میں ڈوگروں کو گالیاں دی گئی ہیں۔ سکھوں کو گالیاں دی گئی ہیں، جہاد کیلئے ہے۔ جہاد کس کو کہتے ہیں یہ میں بھی جانتا ہوں۔ وہ تو مسلمان ہیں۔ میں تو ہندو ہوں۔ اس سلسلے میں مجھے ہندو ہی ماننا چاہیئے لیکن میں سمجھتا ہوں

کہ جہاد اس طرح سے نہیں چل سکتا ہے۔ اس میں بھی مریادا (نظام) ہوتی ہے۔ طریقہ ہوتا ہے گالیاں کہنا رہنا کچھ بھی ہو۔ میں اتنا جانتا ہوں۔ اسلام کی تعلیم ایسی نہیں ہے۔ مجھ کو اس کے بارے میں یہاں اتنا ہی کہنا چاہیئے۔ میں نے اس میں جو چیز پڑھی ویسی ہونی چاہیئے۔ میری پرانی پہچان کے کیا معنیٰ ہیں۔ اتنا ہی پوچھوں گا۔ کہ کیا آپ اتنا ہی چاہتے ہیں۔ کہ ہندو اور مسلمان الگ الگ رہیں۔ پاکستان میں ہندو اور سکھ نہیں رہیں۔ ہندو اور سکھوں کا کیا فرض ہے وہ تو میں کئی بار بتا چکا ہوں۔ لیکن آج میں دوسری بات کہنا چاہتا ہوں۔ وہ یہ ہے۔ کہ پاکستان اور ہندوستان کے بیچ روز کچھ نہ کچھ سمجھوتہ ہوتا ہے۔ کشمیر کے بارے میں نہیں ہو رہا تو وہ کہنے سے کیا فائدہ ہے۔ اتنا چلتا ہے۔ پیچھے دیکھتا ہوں۔ سرحدی صوبے کے پردھان ہیں۔ وہ بھی ایسا ہی کہتے ہیں۔ خفیہ طور سے نہیں کھُلّم کھُلّا۔ اس کا مطلب یہ ہو گیا۔ پاکستان کی چڑھائی کشمیر پر چل رہی ہے۔ اور ہندوستان کا لشکر بھی وہاں گیا تو ہے۔ لیکن چڑھائی کرنے کے لیے نہیں۔ بلکہ مہاراجہ اور شیخ عبداللہ کے بلاوے پر۔ میری نگاہ میں شیخ عبداللہ وہاں کا سچا مہاراجہ ہے۔ ہزاروں مسلمان ان پر فدا ہیں۔ ان کو شیر کشمیر کہتے ہیں۔ وہ لکھا ہے ایسا کہنا اچھا نہیں لگتا۔ وہ کہتا ہے میں مسلمان ہوں۔ لیکن وہ کیسا مسلمان ہے۔ ہندو، سکھ، مسلمان سب کو ایک ساتھ رکھکر بیٹھتا ہے۔ شیخ عبداللہ نے تو ہندو مسلمان اور سکھ سب کو بچانے کا کام کیا ہے۔ مسلمانوں نے کیا کیا ہے۔ وہاں کے مسلمانوں کے خلاف کیوں جہاد چل رہا ہے۔ میں پاکستان کی حکومت کو۔ بڑے ادب سے کہتا ہوں۔ دوستی کی حیثیت سے۔ کیوں کہ کسی سے میری دشمنی تو ہے نہیں۔ کہ آپ کے ہاتھ میں اسلام ہے۔ اسلام دھرم وہاں بھی ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ سب سے بڑی طاقت پاکستان میں اسلامی طاقت ہے۔ آپ اس طاقت کو

کب رکھ سکتے ہیں۔ جب وہاں ہر ایک ہندو اور سکھ۔ چاہے وہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ اپنے آپ کو محفوظ سمجھے۔ ان کے ساتھ انصاف ہونا چاہئے۔ ان کی رکھشا ہونی چاہئے۔ لیکن میں آج دوسری چیز پاتا ہوں۔ اس لئے میں آج پاکستان اور ہندوستان دونوں سے کہوں گا۔ کہ دونوں ملکر آپس میں فیصلہ کریں۔ جب دونوں فیصلہ کرنا چاہتے ہیں۔ تو تیسری طاقت کو بلانے کی کیا ضرورت ہے۔ اگر دونوں بیٹھ کر فیصلہ کر لیتے ہیں۔ تو شیخ عبداللہ بھی پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ویسے تو وہ رہیں گے۔ کیونکہ کشمیر بڑا ہے۔ میں تو سو بار یہی کہوں گا۔ کہ ان دونوں کو آپس میں ملکر فیصلہ کر لینا چاہئے۔ اور پنچ بنانا چاہتے ہیں تو اپنے میں ہی سے پنچ بنانا چاہئے۔ لیکن تیسری طاقت کو نہیں۔ پاکستان اور ہندوستان کے پردھان ملتے ہیں بات چیت کرتے ہیں اور کئی چیزوں کا فیصلہ کرتے ہیں۔ آپس آپس میں ملکر۔ میں دونوں کو کہونگا۔ کہ اسی طرح کشمیر کے معاملہ کے فیصلہ کرنیکی کوشش تو کریں۔ مہاراجہ کو چاہیں تو نکال دیں مجبور کر کے نہیں سمجھا بجھا کر۔ آخر وہ بھی انسان ہے۔ میں وہاں کے مہاراجہ اور اس کے پردھان سے بھی ملا۔ اور ان کو میں نے کہدیا جو مجھے کہنا چاہئے۔ انھیں چاہئے وہ کہدیں اب میری حکومت نہیں ہے مسلمانوں کی حکومت ہے مسلمان جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ مجھے کچھ نہیں کرنا ہے میری پرواہ نہ کرو۔ وہاں جتنے مسلمان، ہندو اور سکھ ہیں۔ کشمیر ان کا ہے۔ یہ طے کرا لو۔ پھر چڑھائی کس واسطے۔ تو اس میں مہاراجہ اور اس کے پردھان نکل جاتے ہیں۔ اور شیخ عبداللہ رہ جاتے ہیں تب شیخ عبداللہ عارضی حکومت بنائیں اور سب انتظام کریں۔ لشکر چلا جائیگا اس طرح آپس میں دونوں فیصلہ کریں تو۔ اس میں ہندوستان کی ہی نہیں بلکہ دونوں کی بھلائی ہوتی ہے۔ ایسا تھوڑے ہی ہے۔ کہ ہندوستان نے مسلمان سلطنت پر چڑھائی کی ہے۔ یا مہاراجہ کو

مدد دیتا ہے - ہماری حکومت رعیت کے واسطے ہے۔ اور رعیت کے واسطے ہی راجوں سے بات چیت کرتی ہے۔ کانگریس کی سرکار دوسری چیز کر ہی نہیں سکتی - ہاں مہاراجہ نگریاں کے روپ میں رہ سکتے ہیں۔ دھرم سمجھ کر کام کریں - اگر وہ اس طرح سے کرتے ہیں - تو آج جو زہر پھیلا ہے - وہ نکل جائیگا -

شیروانی شہید ہو گیا۔

۲۹ دسمبر ۱۹۴۷ء

"آج کشمیر کی بھومی پر ہندو دھرم اور اسلام کا امتحان ہو رہا ہے۔ اگر دونوں صحیح طریقے سے اور ایک ہی راستے پر چلیں تو اعلےٰ کارکنوں کو شہرت حاصل ہو گی اور کوئی اُن کی شہرت اور عزت چھین نہیں سکے گا۔ میری تو ایک ہی پرارتھنا ہے کہ اس دیش میں کشمیر روشنی دکھانے والا ستارہ ہے۔"

میں نے کشمیر اور وہاں کے مہاراجہ صاحب کے بارے میں جو کچھ کہا ہے اُس کے لیے مجھے کافی ڈانٹ کھانی پڑی ہے۔ جنہیں میرا کہنا چُبھا ہے اُنھوں نے میرا نویدن دھیان پُورو ک پڑھا نہیں لگتا۔ میں نے تو وہ صلاح دی ہے جو میری سمجھ میں ایک معمولی سے معمولی آدمی دے سکتا ہے۔ کبھی کبھی ایسی صلاح دینا فرض ہو جاتا ہے۔ اور وہی میں نے کہا۔ ایسا کیوں؟ اس لیے کہ میری صلاح اگر مانی جاتی تو مہاراجہ صاحب اپنی اور جگت کی آنکھوں میں بہت اونچے چلے جاتے۔ اُن کی اور اُن کی ریاست کی حالت آج حسد کے لائق نہیں۔ کشمیر ایک ہندو راج ہے اور اُن کی پرجا میں بہت بڑی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ حملہ آور اپنے حملے کو جہاد کہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ کشمیر کے مسلمان ہندو راج کے ظلم کے نیچے کچلے جا رہے تھے۔ اور وہ اُن کی رکھشا کرنے کو آئے ہیں۔

شیخ عبداللہ صاحب کو مہاراج نے ٹھیک وقت پر بُلایا ہے۔ شیخ صاحب کے لیے یہ کام نیا ہے۔ اگر مہاراجہ انھیں لائق سمجھتے ہیں تو اُن کو ہر قسم کی سہولت ملنی چاہیئے جس طرح یہ بھی عیاں ہے اُسی طرح باہر کے لوگوں کے سامنے بھی واضح ہونا چاہیئے کہ اگر شیخ صاحب اکثریت اور اقلیت دونوں کو اپنے ساتھ نہ رکھ سکیں تو کشمیر کو صرف فوجی طاقت سے حملہ آوروں سے بچایا نہیں جا سکتا مہاراجہ صاحب اور شیخ صاحب دونوں نے حملہ آوروں کا سامنا کرنے کے لئے یونین سے مدد مانگی تھی۔ میرا مہاراجہ کو یہ صلاح دینا کہ وہ انگلینڈ کے راجے کی طرح آئینی راجہ رہے اور اپنی حکومت اور ڈوگرہ فوج کو شیخ صاحب اور اُن کی امیر جیسی حکومت کے کہنے کے مطابق چلائیں۔ اس میں حیرانی کی کیا بات ہے؟ ریاست کے یونین کے ساتھ جُڑ جانے کا شرط نامہ تو پہلے ہی ایسا ہے۔ وہ راجہ کو ایک حق دیتا۔ میں نے ایک معمولی آدمی کی حیثیت سے مہاراجے کو یہ صلاح دینے کی ہمت کی ہے۔ کہ وہ اپنے آپ، اپنے حقوں کو چھوڑ دیں۔ یا کم کر دیں۔ اور ایک ہندو راجے کی حیثیت سے آئینی فرض سرانجام دیں۔

اگر مجھے جو خبریں ملی ہیں اس میں کوئی غلطی ہے تو اس کو بھی ٹھیک کرنا چاہیئے۔ اگر ہندو دھرم کے بارے اور ہندو راجے کے حق کے بارے میں میرے خیالات بھول رہے ہیں تو میری صلاح کو وزن دینے کی بات نہیں رہتی۔ اگر شیخ صاحب منتری منڈل کے مُکھی کے حیثیت سے یا ایک سچے مسلمان کی حیثیت سے اپنا فرض پورا کرنے میں غلطی کرتے ہیں تو اُن کو ایک طرف بیٹھ جانا چاہیئے۔ اور باگ ڈور اپنے سے بہتر آدمی کے ہاتھ میں سونپ دینی چاہیئے۔

آج کشمیر کی بھومی پر ہندو دھرم اور اسلام کا امتحان ہو رہا ہے

اگر دونوں صحیح طریقے سے اور ایک ہی راستے پر چلیں تو اعلیٰ کارکنوں کو شہرت حاصل ہوگی اور کوئی اُن کی شہرت اور عزت چھین نہیں سکے گا۔ میری تو ایک ہی پرارتھنا ہے کہ اس اندھیارے دیش میں کشمیر روشنی دکھلانے والا ستارہ ہے۔

۳۰ جنوری ۱۹۴۸ء

"میں تو فاقہ کر کے اُٹھا ہوں۔ مانتے ہیں
تو مانیں۔ میں کسی کا دشمن نہیں ہوں۔
تو مسلمان کا دشمن کیسے ہو سکتا ہوں۔ میرے
پاس آئیں اور سمجھائیں۔ کہ میری کیا
غلطی ہے سمجھا سکو۔ تو مان جاؤں گا۔" (گاندھی جی)

مجھ کو ایک تار لاہور سے آیا ہے۔ وہ بھائی آزاد کشمیر لیگ کے رُکن ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ جو کر رہے ہیں وہ ایک بلند کام ہے لیکن اس میں کامیابی نہیں ہو سکے گی۔ جب تک کشمیر کا جو مسئلہ ہے اُس کا فیصلہ نہیں ہو جاتا۔ اس لئے تم کو ایسا کرنا چاہیئے کہ بھارت سرکار کی وہاں جو فوج نے حملہ کیا ہے او کشمیر جس کا ہے اُس کو دیدو۔ تب فیصلہ ہوگا۔ اس سے مجھے دُکھ ہوتا ہے۔ کیا کشمیر کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ یہ تو آج ایسا ہی ہے گا کیا مسلمان، ہندو، سکھ کے دشمن رہیں گے اور ہندو سکھ مسلمان کے دشمن رہیں گے۔ صرف کشمیر کے لئے۔

اس کو سمجھنا چاہیئے۔ میں تو ایسا نہیں مانتا۔ کہ ہماری حکومت نے جو فوج بھیجی ہے۔ وہ حملہ کرنے کے لئے ہے۔ کشمیر کی عارضی حکومت کے پردھان شیخ عبداللہ نے لکھا اور مہاراجہ نے لکھا۔ کہ ہم کو امداد بھیجو۔

نہیں تو کشمیر گیا۔ وہ تو اُن کی نگاہ سے ہے۔ لکھنے والے کی نگاہ سے نہیں سہی۔ تو میں اس بھائی کو اور ایسے جتنے بھی ہیں۔ اُن سب کو کہونگا کہ وہ ایسا نہ کریں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے کہ جس کا ہے اُس کو دے دو۔ تو جتنے باہر سے آئے ہیں آفریدی ہو یا کوئی بھی ہو۔ سب جائیں۔ پونچھ کے لوگ باغی بنے ہیں۔ تو مجھ کو شکایت نہیں۔ وہ رہیں تو بھی باغی بن کر۔ تو سارے کشمیر کے لئے اچھائی ہے۔ وہاں سے باہر کے سب لوگ نکل جائیں۔ باہر سے کوئی گول مال نہ کرے۔ شکایت نہ کریں۔ اور باہر سے اندر آنے والوں کی مدد نہ کریں۔ تو میں سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن کہتے ہیں۔ کہ ہم رہیں گے۔ اور اُن کو نکال دو۔ تو بات بنتی نہیں ہے۔ مجھے یہ کہنا کہ کشمیر جس کا ہے اُس کو دیدو۔ تو کس کا ہے۔ میں کہوں گا۔ کہ ابھی تو کشمیر مہاراجہ کا ہے۔ کیونکہ مہاراجہ تو وہاں ہے۔ آج ہماری نگاہ میں حکومت کی نگاہ میں مہاراجہ کو نکال نہیں سکتے۔ ہاں ایسا سمجھیں۔ کہ مہاراجہ بدمعاش ہے۔ رعیّت کے لئے کچھ کرتا نہیں ہے۔ تو میرا خیال ہے۔ حکومت کا حق ہے کہ نکال دے۔ لیکن ابھی ایسی بات تو نہیں ہے۔ ہاں جو مسلمان ہیں وہ کہیں کہ ہمیں مہاراجہ نہیں چاہیئے ـــــ ہم سیدھا پاکستان یا ہندوستان جانا چاہتا ہے۔ اسمیں کوئی شکایت نہیں ہو سکتی۔ میں تو فاقہ کر کے اُٹھا ہوں۔ مانتے ہیں تو مانیں۔ میں کسی کا دشمن نہیں ہوں۔ تو مسلمان کا دشمن کیسے ہو سکتا ہوں۔ میرے پاس آئیں اور سمجھائیں۔ کہ میری کیا غلطی ہے ـــ سمجھا سکو۔ تو مان جاؤں گا۔

۲۷ جنوری ۱۹۴۸ء

"جو چھوٹی لڑکیاں ہیں۔ اُن کو بے عزّت کرنا۔ اُن کو کھانے اور
پہننے کو نہ دینا۔ وہ بھی کیا آپ کو قرآن شریف نے سکھایا ہے
اور جو تو پیچھے پاکستان میں لڑکیوں کو اُٹھا کر چلے گئے ہیں
تو میں پاکستان حکومت سے بھی منّت کر دوں گا کہ ایسی جو بھی کوئی
لڑکیاں ہیں۔ اُن کو واپس کرو۔ اُنھیں اپنے گھروں پر جانے دو۔"

اخیر پر ایک اور بات میں کہنا چاہتا ہوں۔ اور وہ ہے میر پور کے بارے میں۔ ایک دفعہ تو میں نے تھوڑا سا کہہ بھی دیا تھا۔ وہ کشمیر میں ہے۔ میر پور اب حملہ آور کے ہاتھ میں چلا گیا ہے۔ اور وہاں جو ہماری کافی بہنیں تھیں۔ اُن کو وہ اُٹھا لے گئے ہیں۔ اُن میں بوڑھی بھی ہیں۔ اور نوجوان بھی۔ وہ ان کے قبضے میں پڑی ہیں اور اُن کو وہ بے آبرو بھی کر لیتے ہیں۔ اس میں میرے دل میں کوئی شک نہیں۔ کھانا بھی برا اُن کو دیا جاتا ہے۔ چند بہنیں تو پاکستان کے حلقے میں ہیں۔ گجرات ضلع میں ہیں۔ جہلم تک تو شاید پہنچی ہوں گی نہیں۔

میں تو کہوں گا۔ کہ جو حملہ آور حملہ کر رہے ہیں۔ اس میں بھی کچھ تو مریادا یا کچھ حد تو ہونی ہی چاہیے۔ میں ان حملہ آوروں سے کہتا ہوں کہ آپ اسلام کو بگاڑنے کے لئے یہ کام کر رہے ہیں۔ اور کہتے یہ ہیں۔ کہ ہم آزاد کشمیر کے لیے کر رہے ہیں۔ کوئی کھانے پینے کے لئے لوٹ مار کرے۔ وہ میں سمجھ سکتا ہوں۔ لیکن جو چھوٹی

گاندھی جی آل جموں اینڈ
کشمیر نیشنل کانفرنس کے صدر
دفتر مجاھد منزل میں۔ ان کے
دائیں جانب بیگم عبداللہ ھیں۔

گاندھی جی اور ڈاکٹر سوشیلا
نائر نیشنل ھسپتال سری نگر میں

لڑکیاں ہیں ان کو بے عزت کرنا۔ اُن کو کھانے اور پہننے کو نہ دینا۔ وہ بھی کیا آپ کو قرآن شریف نے سکھایا ہے۔ اور جو تو پیچھے پاکستان میں لڑکیوں کو اٹھا کر چلے گئے ہیں۔ تو میں پاکستان حکومت سے بھی منت کروں گا۔ کہ ایسی جو بھی کوئی لڑکیاں ہیں ان کو واپس کرو۔ انھیں اپنے گھروں پر جانے دو۔

بیچارے میرپور کے لوگ میرے پاس آئے ہیں۔ کافی تگڑے ہیں۔ اور شرمندہ ہوتے ہیں۔ مجھ کو وہ سناتے ہیں۔ کہ کیا وجہ ہے۔ کہ ہماری اتنی بڑی بھاری حکومت پڑی ہے۔ وہ اتنا کام بھی نہیں کر سکتی۔ میں نے سنانے کی کوششیں تو کی۔ لیکن جواہر لال جی خود کوششیں کر رہے ہیں اور بہت دکھی ہیں۔ لیکن اُس کے دکھی ہونے سے اور اُن کے کوششیں کرنے سے بھی کیا ہے۔ جو لوگ لوٹ گیا۔ ناراض ہوئے۔ اور جنھوں نے اپنے رشتہ داروں کو گنوا دیا۔ اُن کو کیسے سنتوش دلایا جائے۔ آج جو آدمی آیا۔ اُس کے پندرہ آدمی قتل ہو گئے۔ اُس نے کہا۔ کہ ابھی نو وہاں باقی پڑے ہیں۔ اُن کا کیا حال ہونے والا ہے۔ میں نے سوچا کہ دنیا کے نام سے اور ایشور کے نام سے وہ جو حملہ آور بڑے ہوں۔ اُن کا اور پیچھے پاکستان کو بھی یہ کہوں۔ کہ آپ بغیر مانگے ہوئے۔ اور شہرت کے ساتھ ان بہنوں کو واپس کرنا چاہیئے۔ یہ اُن کا دھرم ہے۔ میں اسلام کو کافی جانتا ہوں۔ اور کافی پڑھا بھی ہے۔ وہ کبھی نہیں سکھاتا۔ کہ عورتوں کو اٹھا لے جاؤ۔ اور ان کو اس طرح سے رکھو۔ وہ دھرم نہیں ادھرم ہے۔ وہ شیطان کی پوجا ہے۔ ایشور کی نہیں۔